کر سکیں گے۔

(۱) اسلام نے امن کش سرگرمیوں کے انسداد کے لئے مختلف قوانین بھی مقرر کئے ہیں۔ چنانچہ فتنہ و فساد فی الارض کو مکروہ ترین اور قابل نفرت فعل قرار دیا گیا، اور اس کے مرتکب کے لئے سخت سزائیں تجویز کی گئیں، چوری کے لئے قطع ید کی سزا،(۹) رہزنی کے لئے قتل، پھانسی، قطع ید و رجل اور جلاوطنی کی تعزیریں متعین کی گئیں،(۱۰) اس کے علاوہ باہمی رنجش کے اسباب کی نشاندہی کر کے ان سے روکا گیا ہے۔ مثلاً تمسخر و استہزاء، عیب جوئی، بدگمانی تجسس اور غیبت وغیرہ کہ یہ چیزیں بد امنی اور فساد کے پیش منظر ہوتے ہیں۔(۱۱) اسلام کی ان تعلیمات کے اجمالی جائزے سے یہ حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ اسلام میں معاشرتی امن کو کس قدر اہمیت حاصل ہے کہ اس کے تحفظ کے لئے متعدد اقدامات تجویزات اور کئی بنیادی اصول متعین کئے گئے ہیں۔

قبل اس کے کہ قیام امن کے لئے کئے جانے والے ان عملی اقدامات کا ذکر کیا جائے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں اور آپ کے ذریعے روبہ عمل کئے، یہ جاننا ضروری ہے کہ بعثت نبوی کے زمانے میں قبائلی عرب باہمی خانہ جنگیوں میں مصروف تھے، بکر و تغلب کی چالیس سالہ جنگ کا قریب میں ہی خاتمہ ہوا ہوا تھا، کندہ اور حضرموت کے قبائل کٹ کٹ کر فنا ہو چکے تھے، اوس و خزرج لڑ لڑ کر اپنے ایک ایک سردار کو کھو چکے تھے، پہاڑوں اور صحراؤں میں خود مختار جرائم پیشہ قبائل آباد تھے، تمام ملک قتل و غارتگری سفاکی و خونریزی کے خطرات میں گھرا ہوا تھا، تمام قبائل غیر مختتم سلسلہ جنگ کی زنجیروں میں جکڑے ہوتے تھے، انتقام و خون بہا کی پیاس سینکڑوں اور ہزاروں اشخاص کے قتل کے بعد بھی نہیں بجھتی تھی، حرم میں حاص طور پر

بنو قیس اور قریش کے درمیان حرب فجار کا سلسلہ جاری تھا۔ اور اس طرح تمام ملک معرکہ کارزار بنا ہوا تھا۔ (۱۲) ان ہنگاموں کے وجوہ و اسباب گونا گوں نوعیت کے ہوتے تھے، مثلاً قرضے کی ادائیگی میں ٹال مٹول، کسی عورت سے چھیڑ چھاڑ، ذاتی لن ترانیاں، مخالف قبیلے کے جواب پر جھگڑے و ناراضگی، اور کبھی حرمت والے مہینوں کی تازہ حرمت شکنی کا انتقام وغیرہ (۱۳) یوں تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام زندگی امن و آشتی کے فروغ میں بسر ہوئی، تاہم ذیل میں ان عظیم اقدامات کا تذکرہ مقصود ہے، جو آپ نے خاص طور پر اسی سلسلے اٹھائے۔

(الف) :- حلف الفضول کی تجدید

چوتھی جنگ فجار میں کسی معمولی سی بات پر کافی خونریزی ہوئی، چنانچہ قریش اس پر افسردہ اور پریشان ہوئے، تو جنگ کے چند ہفتے بعد لڑائی میں شریک قریش سرداروں بالخصوص زبیر بن عبدالمطلب (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور بنو ہاشم کے سردار) اور قبیلہ تیم کے عبداللہ بن جدعان نے اہل شہر کو اس "حلف الفضول" (۱۴) کی تجدید کی دعوت دی جو قصی کے مکہ پر قبضہ سے قبل جرہمی دور میں طے پایا تھا۔ چنانچہ عبداللہ بن جدعان کے مکان پر ایک ضیافت میں قبیلہ تیم، بنی ہاشم، بنی مطلب، بنی زہرہ اور بنی حارث بن فہر کے معزز یکجا ہوئے۔ اور حلفیہ اقرار کیا کہ وہ مکہ شہر کی حدود میں کسی کو کسی پر ظلم نہیں کرنے دیں گے۔ اور باہمی اتحاد کے ذریعے مظلوم کو ظالم سے اس کا حق دلائیں گے۔ واضح رہے کہ مظلوم کی حق رسی سے قیام امن کی راہ ہموار ہوتی ہے۔

(جاری)

زکوٰۃ کے مستحق کون ہیں؟

کیا زکوٰۃ علمی و اشاعتی اداروں کو دی جا سکتی ہے؟

(۲)

مولانا محمد شہاب الدین ندوی، فرقانیہ اکیڈمی، بنگلور

ایک بلا ثبوت دعوی:-

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معترض کو اس میدان میں مقابلے یا اپنے "دفاع" کے لئے فقہ حنفی ناکافی معلوم ہو رہی ہے۔ لہٰذا وہ اسے کمزور یا ناقص تصور کرتے ہوئے اپنے "بچاؤ" کے لئے مخالف مسلک والوں سے بھی "ہتھیاروں" کی بھیک مانگتے نظر آرہے ہیں۔ مگر یہ اور بات ہے کہ بد حواسی میں ہر جائز و ناجائز طریقے سے اپنانے سے بھی نہیں چوکتے۔ اور یہ بڑی عبرت کی بات ہے کہ معترض نے اپنے مضمون میں ایک موقع پر راقم سطور پر "ڈوبتے کو تنکے کا سہارا" کی جو پھبتی کسی تھی، وہ بجائے خود معترض کے حال زار پر صادق آرہی ہے۔ چنانچہ وہ بد حواسی میں اپنے "دشمنوں" تک سے بھی ہتھیار مستعار لینے سے نہیں چوک رہے ہیں، لیکن یہ اور بات ہے کہ وہ مقابلے کے لئے جو بھی ہتھیار لا رہے ہیں، وہ

بہان دہلی ۔

انتہائی کُند اور زنگ خوردہ ہے۔ اور لطف یہ کہ اُن کا ہر داؤ خود والوں کی پہاڑی پڑ رہا ہے۔ اس طرح ان کی ساری تدبیریں اُلٹی ہو رہی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ غیر شعوری طور پر نہ صرف اپنی فقہ کی "نااہلی" ثابت کر رہے ہیں، بلکہ دوسرے فقہاء اور مصنفین کے نقائص کو بھی طشت از بام کرکے مزید تضحیک کا سامان بھی فراہم کر رہے ہیں۔ اس طرح انہوں نے اپنی عاقبت نااندیشانہ حرکت سے فقہ اسلامی کو ایک بازار تماشہ بنا کر رکھ دیا ہے۔

بہرحال معترض دیگر فقہاء و مصنفین کے کمزور سے کمزور اقوال کو بطور "دلائل" بے سوچے سمجھے اس طرح نقل کرتے ہیں گویا کہ اس سے علمی دنیا میں کوئی زلزلہ آجائے گا۔ اور فریق مخالف کا منہ پوری طرح بند ہو جائے گا۔ چنانچہ اس کی ایک اور مثال انہوں نے ایک حنبلی مصنف صاحب الشرح الکبیر علی متن المقنع کے حوالے سے اس طرح پیش کی ہے۔

"... کیونکہ سبیل اللہ جب مطلق بولا جاتا ہے تو اس سے مراد جہاد ہوتا ہے قرآن میں جہاں جہاں سبیل اللہ استعمال کیا گیا ہے۔ معدودے چند جگہوں کو چھوڑ کر اس سے مراد جہاد ہی ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ مصرف زکاۃ کے سلسلے میں جو سبیل اللہ مذکور ہے اسے بھی جہاد پر محمول کیا جائے۔ کیونکہ بظاہر مراد وہی ہے"۔

کیا خوب دلیل ہے! اس کا مطلب یہ ہوا کہ فلاں شہر میں چونکہ ساٹھ یا ستر فی صد مسلمان رہتے ہیں اس لئے یہ بات بغیر کسی دلیل یا شناخت ہی نہیں "اکثریت" کی منطق کو پیش نظر رکھتے ہوئے تسلیم کر لینی چاہئے کہ اس شہر کے جس آدمی سے بھی ہمارا سامنا ہو جائے وہ لازمی طور پر مسلمان ہوگا یا اُس کو ایسا ضرور

حوالہ:۔ ماہنامہ الفرقان، اگست ١٩٨٨ء، ص ٢٤

ہونا چاہئے۔

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

ابن حزم کے مسلک پر نظر

معترض نے معارف زکاۃ کے سلسلے میں علامہ ابن حزم اندلسیؒ (م ۴۵۶ھ) کی عبارت کو بھی (جو فی سبیل اللہ) کے بارے میں ہے اپنے مہمل نظریہ کی تائید میں "ایک فکر انگیز" تحقیق قرار دے کر بیان کیا ہے۔ جب کہ حقیقتاً وہ کوئی "تحقیق" نہیں بلکہ حدیث کے سطحی مطالعہ کا ایک نمونہ ہے۔ چنانچہ موصوف نے اپنی مشہور کتاب "المحلی" میں اس موضوع پر واحد حدیث پیش کی ہے، وہ وہی ہے۔ جس پر پچھلے صفحات میں تفصیلی بحث ہو چکی ہے۔ (یعنی: لا تحل الصدقة لغنی الا لخمسة، لغاز فی سبیل اللہ ...) ابن حزم کو اس موضوع پر سوائے اس واحد حدیث کے اور کوئی حدیث نہیں مل سکی، اس حدیث کی بنا پر وہ جہاد کو فی سبیل اللہ میں شامل قرار دیے جانے کے قائل ہیں اور حج کو اس میں شامل کرنے سے انکار کرتے ہیں[۳۳]۔ بہرحال ان کے نظریات کا خلاصہ اس طرح ہے۔

۱۔ علامہ ابن حزم کا نظریہ یہ ہے کہ فی سبیل سے مراد جہاد ہے۔ وأما سبیل اللہ، فهو الجهاد بحق۔

مگر اس کی دلیل کیا ہے؟ تو اس پر انہوں نے کوئی بحث نہیں کی۔ بلکہ مذکورہ بالا حدیث پیش کر دینے پر اکتفا کیا ہے جو یہ ہے۔ "ایک مالدار شخص کے لئے

[۳۳]۔ المحلی، ابن حزم اندلسی، ۶/۱۵۱، مطبوعہ دار الآفاق الجدیدۃ، بیروت۔

صدقہ صرف پانچ صورتوں میں جائز ہو سکتا ہے۔ (۱) جب کہ وہ اللہ کی راہ میں لڑنے والا ہو۔ (۲) جب کہ وہ زکاۃ وصول کرنے والا ہو۔ (۳) جب کہ وہ قرض دار ہو ...."

۲۔ ابن حزم نے اس موقع پر جس انداز میں یہ حدیث پیش کی ہے اور اس پر جو مختصر اور مبہم کلام کیا ہے۔ وہ محتاج بیان ہے مگر موصوف نے اس موقع پر نہ فی سبیل اللہ کا لغوی مفہوم بیان کیا ہے اور نہ اس کی منطقی تعریف ہی کی ہے جیسا کہ معترض کو اس موقع پر غلط فہمی ہوئی ہے۔ بلکہ موصوف صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں اللہ کی راہ میں غزوہ یا جہاد کرنے والے کو زکاۃ کی رقم دینی چاہیے اگرچہ وہ مالدار ہو۔ اور یہ بات صراحتاً معترض کے نظریہ پر ایک کاری ضرب لگاتی ہے، جو ایک "مالدار" کو کسی بھی حالت میں زکاۃ کی رقم دینے کے قائل نہیں ہیں۔

۳۔ ابن حزم کے نزدیک حج فی سبیل اللہ میں داخل نہیں ہے۔ اور وہ فی سبیل اللہ کی عمومیت کا انکار کرتے ہوئے مذکورۂ بالا حدیث کو نص مانتے ہیں۔

۴۔ اوپر انہوں نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی حدیث پیش کی مگر ابن حزم کے سامنے صحابی مذکور کی تمام روایات موجود نہیں ہیں، جو الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ مختلف طور پر وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ بعض حدیثوں میں بجائے غازی کے عامل کا لفظ موجود ہے، جو ابن حزم کے خلاف ایک حجت ہے۔ (یہ حدیث اوپر گزر چکی ہے) اور بعض روایات میں یہ دونوں الفاظ سرے سے موجود نہیں ہیں۔ لہٰذا ابن حزم کا "عدم عمومیت" کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔ نیز اگر ابن حزم کے نزدیک "غازی فی سبیل اللہ" ایک نص ہے تو کیا "عامل فی سبیل اللہ" نص نہیں ہے؟ اگر یہ بھی نص ہے تو پھر اس کا [illegible] کیا ہوگی؟

۱۵۔ بہرحال اس حدیث کا موضوع مصارف زکوٰۃ کا بیان نہیں، بلکہ ایک مالدار شخص کے بحق زکوٰۃ کی صورتوں کا بیان ہے۔ اس لئے اس حدیث سے ضمناً واشارۃً صرف اتنا ہی ثابت کیا جا سکتا ہے کہ فی سبیل اللہ میں غزوہ وجہاد کا مفہوم بھی شامل ہو سکتا ہے۔ نہ کہ اس کا واحد مفہوم، ورنہ پھر اس سلسلے کے سارے ذخیرۂ حدیث کو دریا برد کرنا پڑے گا۔

۱۶۔ اس پوری بحث سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ حدیث نبویؐ میں فی سبیل اللہ سے متعلق مختلف مصداقات بڑی گہری حکمت ومصلحت کے ساتھ مذکور ہیں۔ جن میں سے کسی ایک کا بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ واقعہ یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے کلام میں جو جامعیت وابدیت پائی جاتی ہے اسے کوئی بھی عالم اپنے دور کے تنگ اور عصری پیمانوں سے ناپ نہیں سکتا، اور ان میں موجود ملحوظ تمام مصلحتوں کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ بس اس کے ذہن کے ... تنگنائے میں جو چیز سما نہ سکے اس کا فوراً انکار کر بیٹھتا ہے، مگر ظاہر ہے کہ اس روش کی بنا پر سوائے حیرانی وسرگردانی کے اور کوئی چیز حاصل نہیں ہو سکتی۔

ان معروضات کی روشنی میں اب علامہ ابن حزم کی اصل عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

وأما سبيل الله، فهو الجهاد بحق۔ حدثنا عبد الله بن ربيع عن أبي سعيد الخدريؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تحل الصدقة لغني إلا لخمسة: لغاز في سبيل الله، أو لعامل عليها، أو لغارم، أو لرجل اشتراها بماله، أو لرجل كان له جار مسكين فتصدق على المسكين فأهداها المسكين للغني۔

فإن قيل قد روي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم إن الحج من سبيل الله، وعن ابن عباس أن يعطى منها [illegible]

نعم، وكل فعل خير من سبيل الله تعالى الا انه لا اختلاف فى انه تعالى لم يرد كل وجه من وجوه البر فى الصدقات، فلم يجز ان توضع الاحيث بين النص، وهو الذى ذكرنا - وبالله تعالى التوفيق۔ ؎ ۱۴۵

حاجی، عالم اور غازی :-

اس سلسلے میں یہ حقیقت ملحوظ رہنی چاہیے کہ حدیث نبوی کی تصریحات کی رُو سے فی سبیل اللہ میں حج اور علم جس بلند آہنگی کے ساتھ داخل و شامل ہیں، اتنی قوت کے ساتھ جہاد یا غزوہ شامل نہیں ہے۔ چنانچہ ملاحظہ فرمائیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے بارے میں واضح اور دوٹوک انداز میں فرمایا۔

فان الحج فی سبیل اللہ :- حج یقیناً فی سبیل اللہ میں ہے

اور علم وتعلیم کے بارے میں بھی اسی طرح وضاحت کے ساتھ تصریح فرمایا۔

مَنْ خَرَجَ فِی طَلَبِ العِلم كَانَ فِی سَبِیلِ اللّٰہِ: جو شخص طلب علم کی غرض سے نکلا وہ اللہ کے راستہ میں ہو گیا۔

مَنْ جَاءَ مَسْجِدِی هٰذَا لَمْ يَأْتِهِ إِلَّا لِخَيْرٍ يَتَعَلَّمُهُ أَوْ يُعَلِّمُهُ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمُجَاهِدِ فِی سَبِيلِ اللّٰہِ :- جو شخص میری اس مسجد کو محض اس بھلائی کی غرض سے آئے کہ وہ کچھ سیکھے گا یا سکھائے گا تو وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کے برابر ہوگا۔ ؎ ۱۴۶

؎ ۱۴۵ :- حوالہ مذکور ۶ / ۱۵۱

؎ ۱۴۶ :- ان تمام حدیثوں کے حوالے پچھلے صفحات میں گزر چکے ہیں۔

اور غالباً انہی حدیثوں کی بنا پر قاضی ظہیر الدین حنفی رحہ نے یہ فتویٰ صادر کیا کہ طالب علم بھی فی سبیل اللہ میں شامل ہیں۔ اس اعتبار سے یہ فتویٰ بہت وزنی اور بادقار ہے۔ نیز اس حدیث کے الفاظ مخصوص طور پر بتا رہے ہیں کہ اس میں متعلم ہی کی طرح معلم بھی داخل ہے جیسا کہ "یتعلمہ اور یعلمہ" سے واضح ہو رہا ہے۔

مگر ان دونوں طبقوں کے مقابلے میں غازی یا مجاہد کے بارے میں بھی ایسے ہی واضح دو ٹوک انداز اختیار کرنے کے بجائے محض ضمناً و اشارۃً آپ نے فرمایا کہ غزوہ یا جہاد کرنے والا بھی اللہ کے راستے میں ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ حدیث "لغاز فی سبیل اللہ" سے ظاہر ہو گیا۔ اس پر تفصیلی بحث پچھلے صفحات میں گزر چکی ہے۔

حاصل یہ کہ جتنی قوت اور تاکید کے ساتھ یہ بات پہلے دو طبقوں کے بارے میں کہی گئی ہے وہ تیسرے طبقے (غازی) کے بارے میں مفقود ہے۔ اور اس میں حکمت نبوی یہ معلوم ہوتی ہے چونکہ غازی دور رسالت ہی سے عملاً اس مد میں زیادہ مشہور رہے ہیں۔ اس لئے اس کی صراحت پہ زیادہ زور دینا ضروری نہیں تھا، اس کے برعکس حاجی اور عالم چونکہ کم مشہور رہے ہیں اس لئے ان کی اہمیت جتانے کے لئے غالباً بطور تاکید ان دو طبقوں کا بیان کیا گیا، تاکہ اہل علم اس پر متنبہ ہو سکیں، اور غالباً اسی صراحت کی وجہ سے امام محمد رحہ، امام احمد بن حنبل رحہ، اسحاق بن راہویہ رحہ اور حسن بصری رحہ حج کے فی سبیل اللہ میں داخل ہونے کے قائل ہیں۔ جبکہ کسی عالم کا فی سبیل اللہ میں شامل ہونا، دور میں مشہور نہیں رہا۔ اگرچہ بطور نص اس میں داخل ہے۔ واللہ اعلم۔

غرض علامہ ابن حزم رحہ نے اس موضوع سے متعلق تمام حدیثوں پر استقرائی حیثیت سے نظر نہیں کی، بلکہ محض ایک حدیث کو دیکھ کر ہی ایک استقرائی نتیجہ

منذ کذب جو صحیح نہیں ہے۔

اس سلسلے میں سب سے بڑی حقیقت یہ ملحوظ رہے کہ فی سبیل اللہ کا مصداق خواہ غزوہ و جہاد قرار پائے یا علمی جد و جہد، دونوں صورتوں میں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ یہ اختلاف محض لفظی ہے اور واقعہ کے اعتبار سے یہ دونوں مصداق ایک ہی سکے کے دو رخوں کی طرح ہیں۔ جیسا کہ اس سلسلے میں بعض حقائق پچھلے صفحات میں بیان کئے جا چکے ہیں۔ اور بعض مزید اور چونکا دینے والے اسرار و حقائق کی نقاب کشائی اگلے صفحات میں کی جا رہی ہے۔

تفسیر ابن جریر پر ایک نظر:۔

علامہ ابن جریر طبریؒ (م ۳۱۰ھ) ایک بہت بڑے مفسر و محدث اور فقیہ گزرے ہیں۔ اور ان کی تفسیر جو "جامع البیان فی تفسیر القرآن" کے نام سے ہے منقولہ تفسیروں (تفسیری اقوال) کا سب سے بڑا اور اولین ذخیرہ ہے جو عموماً تفسیر ابن جریر کے نام سے مشہور ہے۔ علامہ موصوف نے اس میں سلف کے ان تمام تفسیری اقوال کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے جو اُن تک بسند پہنچ سکے ہیں۔ لیکن یہ تمام منقولی تفاسیر کی جامع نہیں ہے۔ اور نہ اس میں درج شدہ تمام اقوال و روایات درجۂ اسناد کو پہنچے ہوتے ہیں۔ بلکہ یہ "رطب و یابس" کا سب سے بڑا مجموعہ ضرور ہے، جس سے اہل علم استفادہ کر سکتے ہیں۔

اس کے مقابلے میں امام جلال الدین سیوطیؒ کی تالیف کردہ "تفسیر درمنثور" کو منقولہ روایات کا ایک جامع ذخیرہ کہا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ تفسیر درمنثور میں علامہ سیوطیؒ نے پورے ذخیرۂ حدیث کی ان تمام روایات کو (جو صحاح ستہ اور غیر صحاح ستہ کی ہیں) جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔

جو کسی بھی آیت کے ذیل میں آسکتی ہیں۔ اس کے برعکس طبری نے اپنی تفسیر میں صرف انہی روایات کو جمع کیا ہے جو خود ان تک بسند پہنچی ہوں، (خواہ وہ دیگر کتب حدیث میں مذکور ہوں یا نہ ہوں) اس لحاظ سے ان دونوں تفسیروں میں بہت بڑا فرق ہے۔

بہرحال زیر بحث مسئلے میں ابن جریر نے فی سبیل اللہ کی تفسیر میں جو کچھ بیان کیا ہے وہ تین باتوں پر مشتمل ہے۔ پہلی بات یہ کہ انہوں نے سب سے پہلے "فی سبیل اللہ" کی تعریف بیان کی ہے کہ اس سے کیا مراد ہے؟ تو موصوف کی یہ تعریف ایک حیثیت سے "علمی" ہے تو دوسری حیثیت سے "جہادی" نظر آتی ہے جیسا کہ وہ تحریر کرتے ہیں۔

وَأما قوله وفي سبيل الله فانه يعني: وفي النفقة في نصرة دين الله وطريقه وشريعته التي شرعها لعباده بقتال اعدائه وذالك هو غزو الكفار:

یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ "اور اس کے راستے ہیں" تو اس سے مراد یہ ہے کہ زکاۃ کی رقم اللہ کے دین اس کے طریقے اور اس کی شریعت جسے اس نے اپنے بندوں کے لئے بنایا ہے۔ کہ نصرت و حمایت میں خرچ کی جائے اس کے دشمنوں سے جنگ کرنے میں، اور کفار سے غزوہ (جنگ) کرنے کا یہی مطلب ہے۔[۱۵۶]

دوسری بات یہ کہ ابن جریر طبری نے اپنے اس قول کی تائید میں کہ فی سبیل اللہ سے غازی مراد ہے، واحد قول ابن زید نامی ایک گمنام شخص کا پیش کیا ہے۔

۱۵۶۔ تفسیر ابن جریر ۱۰/۱۱۴ – ۱۱۵ – دارالمعرفہ، بیروت

قال ابن زید فی قولہ وفی سبیل اللہ ، قال الغازی فی سبیل اللہ ؛ ابن زید نے کہا ہے کہ فی سبیل اللہ میں مراد غازی فی سبیل اللہ ہے [۲۹]

اور تیسری بات یہ ہے کہ اس کے بعد وہ اس قول کی تائید میں حسب ذیل دو روایتیں پیش کرتے ہیں۔

۱:- عن عطاء بن یسار قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تحل الصدقۃ لغنی الا لخمسۃ ، رجل عمل علیھا او رجل اشتراھا بمالہ ، او فی سبیل اللہ او ابن السبیل او رجل کان لہ جار تصدق علیہ فاھداھا لہ ۔

عطاء بن یسار سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مالدار شخص کے لئے زکاۃ کا مال یا کوئی چیز لینا حلال نہیں ہے سوائے پانچ صورتوں کے (۱) جب کہ کوئی شخص زکاۃ وصول کر رہا ہو۔ (۲) جب کہ کوئی شخص زکاۃ کی کوئی چیز اپنے مال سے خرید رہا ہو۔ (۳) جب کہ کوئی شخص اللہ کی راہ میں ہو۔ (۴) جب کہ وہ مسافر ہو۔ (۵) اور جب کہ کسی مالدار کے پڑوسی کو زکاۃ کی کوئی چیز دی گئی ہو، جس کو وہ اس مالدار کو بطور ہدیہ بھیج دے۔ [۳۰]

عن ابی سعید الخدری عن النبی صلی اللہ علیہ [وسلم] قال: لا تحل الصدقۃ لغنی الا لثلاثۃ فی سبیل اللہ او ابن السبیل او رجل کان لہ جار تصدق علیہ فاھدی الیہ ؛ حضرت ابو سعید خدری رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ ...

۲۹، ۳۰ لطف۔ تفسیر ابن جریر ۱۰/۱۱۴ - ۱۱۵ - دار المعرفۃ ...

فرمایا کہ کسی مالدار کے لئے صدقہ لینا صرف پانچ صورتوں میں جائز ہو سکتا ہے۔ ...اللہ کی راہ میں، مسافر ہونے کی صورت میں، اور جب کہ اس کا کوئی پڑوسی ...سی صدقہ کی کوئی چیز اسے بطور ہدیہ دے دے۔ [۱۰۹]

ان حدیثوں پر پچھلے صفحات میں مفصل بحث ہو چکی ہے کہ ان میں "غازی" کا لفظ سرے سے موجود نہیں ہے، بلکہ یہاں پہ وہی مثل صادق آتی ہے کہ "مارو گھٹنا پھوٹے آنکھ"، ظاہر ہے کہ جب غازی کا لفظ بالکل ہی موجود نہیں ہے تو پھر یہاں پر غازی اور غیر غازی (یعنی حاجی اور عالم وغیرہ) سب مراد ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا اس میں غازی کی تخصیص کہاں رہی؟ ابن جریر کی تفسیر میں یہ سب سے مجمل ہے جو ایک اچھا خاصہ معمہ معلوم ہوتا ہے۔

اوپر کی تصریح کے مطابق ابن حزم نے جو حدیث پیش کی تھی اس میں کم از کم "غازی" کا تو لفظ موجود تھا۔ مگر یہاں پر وہ بھی نہیں ہے۔ گویا کہ اس سلسلے کی ساری حدیثوں کو غزوہ و جہاد ہی سے متعلق تصور کر لیا گیا ہے۔ خواہ ان میں غازی کا لفظ موجود ہو یا نہ ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے چونکہ دور قدیم میں لوگوں کے ذہنوں میں عسکری جہاد کا جو مفہوم چھایا ہوا تھا اس کے پیش نظر غالباً علماء کسی دوسرے مفہوم کی سرے سے گنجائش تصور کرنے ہی کے روادار نہ تھے۔ لہٰذا انہوں نے اس سلسلے کی مبہم حدیثوں کو بھی جہاد و غزوہ ہی سے متعلق قرار دینے کی کوشش کی ہے۔ اور ان کی نظروں سے صحیح ابن خزیمہ کی روایت غالباً پوشیدہ رہی ہوگی جس میں بجائے غازی کے عامل کا لفظ مذکور ہے۔ اگر ان دونوں روایتوں کا مقابلہ کر کے غور کیا

---

[۱۰۹] ابن جریر ۱۰/ ۱۱۴-۱۱۵، دار المعرفۃ بیروت